© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

قارئینِ برہان کو یاد ہوگا ہم نے فروری کے برہان میں حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کی کتاب "حضرت شاہ ولی اللہؒ کی سیاسی تحریک" پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک فقرہ پر اظہار افسوس و تعجب کیا تھا جو خود مولانا کا نہیں بلکہ کتابِ مذکور کے شارح مولانا نور الحق صاحب علوی کا لکھا ہوا تھا اور جس سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ مولانا دینِ الٰہی کے نام سے ایک نیا "معجون مرکب" مذہب رائج کرنے کے متعلق اکبر اعظم کی کوششوں کو اساساً درست سمجھتے ہیں۔ اب اسی سلسلہ میں حیدر آباد سندھ سے ہمیں مولانا کا ایک گرامی نامہ موصول ہوا ہے۔ جسے قارئینِ کرام کی اطلاع کے لئے ذیل میں شائع کر دینا مناسب ہے۔

تحیۃ وسلام کے بعد لکھتے ہیں:-

برہان کے نمبر لئے۔ خیال آیا کہ شکریہ کے طور پر فقط یہ شعر لکھ دوں

اذا رضیت عنی کرام عشیرتی — فلا زال غضبانا علیّ لئامہا

اکبر کے متعلق جو کچھ قابلِ تنقید سمجھا گیا ہے۔ میں اُسے مانتا ہوں، یہ ایک غلطی ہے جس کی تصحیح ہونی چاہئے۔ میری عبارت کو یوں پڑھنا چاہئے۔

سکندر لودی اور شیر شاہ نے جو ہندوستانی تحریک شروع کی تھی اور اکبر نے اسے اپنا مقصدِ حیات بنا لیا وہ اساساً صحیح تھی مگر اسے چلانے والے آدمی میسر نہیں آئے اس لئے غلط راستے پر پڑ گئے۔ امام ولی اللہؒ کی تعلیمِ حکمت کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا محمد قاسم جیسے عالم پیدا ہو گئے جو انسانیتِ عامہ کو ایک نقطہ پر جمع کر سکتے ہیں اور عقلی دعوت سے سب کو اسلام سمجھا سکتے ہیں۔ جس سے عقلمندوں کا بڑا حصہ تو مسلمان ہو جائیگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور ایک طبقہ اگرچہ اسلام قبول نہیں کرتا مگر وہ اسلام کی انقلابی انٹرنیشنل سیاست مان لیگا۔ ان کی حیثیت ذمیوں کی سی ہوگی مقصد یہی ہے۔ الفاظ کی کوتاہی سے غلطی پیدا ہوگئی۔ جبکہ میں ماسکو کے انٹرنیشنلسٹ طبقہ سے یہ عقلمندی کی آواز سن چکا ہوں کہ " اگر امام ولی اللہؒ کے اصول پر ہندوستانی مسلمانوں کی سوسائٹی ہوتی تو ہم اسلام قبول کر لیتے " تو اب اس کے بعد میرے اس یقین میں تزلزل پیدا نہیں ہوتا کہ نیشنل کانگرس میں اگر انقلابی صف مسلمان نہ بھی ہوئی تب بھی وہ ہماری سیاست کی اطاعت کرینگے۔ والسلام "

جہاں تک " دین الٰہی " کا تعلق ہے مولانا کے الفاظ سے اس کا معاملہ صاف ہوجاتا ہے اور ہمیں امید ہے کہ ہماری طرح اس کتاب کے دوسرے قارئین کے دل میں بھی جو خلجان ہوگا وہ " تصنیف را مصنف نکو کند بیان " کے مطابق رفع ہوجائیگا۔ البتہ تاریخ کا ایک طالب علم یہ سوال کرسکتا ہے کہ سلطان سکندر لودھی اور شیر شاہ سوری کی نسبت اتنا تو معلوم ہے کہ اول الذکر اکبر کی طرح مختلف مذاہب کے علماء کو بلاکر ان سے اپنے اپنے مذہب کی صداقت پر تقریریں کراتا تھا اور ان سے دلچسپی لیتا تھا۔ اور موخر الذکر نے بنگالے سے دریائے سندھ تک جو ایک ہزار پانچسو کوس کی راہ تھی ایک پختہ سڑک تعمیر کرائی اور ہر کوس پر ایک ایک سرائے بنوائی تھی، جس کے دو دروازے ہوتے تھے ایک دروازہ مسلمان مسافروں کے لئے مخصوص تھا جہاں سے ان کو کھانا ملتا تھا اور اسی طرح دوسرا دروازہ ہندو مسافروں کے لئے مختص تھا۔ ان کو یہاں سے اسی درجہ کا کھانا ملتا تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ سلطان سکندر لودھی اور شیر شاہ سوری کے ان دونوں عملوں کو بھلا " ہندوستانی تحریک " کس طرح کہا جاسکتا ہے۔ یہ تو ایک بادشاہ کا حسنِ خلق یا ذاتی رجحان ہے جو وہ اپنی رعایا کے کلچر اور مذہب کے ساتھ توہین کا نہیں بلکہ احترام کا معاملہ کرتا ہے۔ یا رفاہِ عام کے کاموں میں اپنی ہم مذہب رعایا اور غیروں میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھتا۔

علاوہ ازیں اکبر کی سیاست کو سلطان سکندر یا شیر شاہ کی سیاست سے مربوط کرنا بھی کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ دونوں اکبر کے مقابلہ میں کہیں زیادہ پختہ عقیدہ اور پابند صوم و صلوٰۃ مسلمان تھے شیر شاہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی اسلامی غیرت کا یہ عالم تھا کہ جب اسے راجہ پورن مل کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ راجہ نے قلعہ رائے سین (جواب ریاست بھوپال کے علاقہ میں ہے) پر قبضہ حاصل کر کے اس نواح کی دو ہزار مسلمان عورتوں کو جبراً اپنے حرم میں داخل کر لیا ہے تو جوشِ انتقام سے دیوانہ ہو گیا اور آخر کار جب تک اس نے اس قلعہ کو فتح نہیں کر لیا اور علماءِ اسلام کے فتوی کے مطابق راجہ کا کام تمام نہیں کر دیا چین نہیں لیا۔ اسی طرح سلطان سکندر کی متعلق معلوم ہے کہ وہ چند علماءِ حق کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور دینی معاملات میں ان کے فتوی پر بے تامل عمل کرتا تھا، چنانچہ بودھن نامی شخص کو اس نے علماء کے فتوی کی بنا پر ہی قتل کرایا تھا۔

پھر اگر محض مختلف مذاہب کے علماء کو بلا کر ان کی تقریریں یکساں توجہ سے سننا ہی ہندوستانی تحریک ہے تو اس تحریک کے علمبرداروں میں محمد بن تغلق کا نام سرِ فہرست ہونا چاہئے جو ہندو جوگیوں کو اپنے دربار میں بلا بلا کر اُن سے ان کے مذہب کی معلومات حاصل کرتا تھا اور فراخدلی سے ان سے تبادلہ خیالات کرتا تھا۔

ہم نے سطورِ بالا میں جو کچھ لکھا ہے اس سے غرض صرف ایک طالب علمانہ استفسار ہے ورنہ ہم سے زیادہ اس حقیقت کا محرم اور کون ہو سکتا ہے کہ مولانا اپنے عمل، خلوص، للّٰہیت اور ذہانت و استعداد فکر و تدبر کے اعتبار سے آج کم از کم ہندوستان کی اسلامی دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ کتنے ہی اعیان ملت ہیں جو خود سوچتے کچھ اور ہیں مگر کہتے اور لکھتے وہ ہیں جو عوام کی ذہنیت کے مطابق ہو۔ اس کے برخلاف مولانا کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جو کچھ سوچتے ہیں وہی زبان سے برملا کہتے ہیں اور اس میں آپ کو کسی لومۃ لائم کی مطلقاً پرواہ نہیں ہوتی۔ اس پر بعض لوگ اپنے مبلغ علم و عمل سے بے خبر ہو کر مولانا کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کرتے ہیں لیکن اربابِ نظر کے نزدیک اس طرح وہ اپنی "فضیلت مآبی" کا مظاہرہ تو کر سکتے ہیں مولانا کو ان کے مقام سے نہیں اتار سکتے۔ ان اربابِ قال کو مخاطب کر کے کہا جا سکتا ہے۔

سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن ۔۔۔ بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز ۔۔۔ اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

© rasailojaraid.com